# فقہ اسلامی اور رومن لا

## خالد سیف اللہ رحمانی

علوم اسلامی میں علوم القرآن اور علوم الحدیث کے بعد جس علم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ ''فقہ'' ہے اور اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اور صلاحیتیں اس فن کی آبیاری اور نشو ونما میں صرف ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایک ''نبی اُمی ﷺ '' (فداہ روحی وابی وامی) کی لائی ہوئی شریعت کے ایک ایک حکم کی عقدہ کشائی کے لئے زمانہ کی اتنی ذکی، عالی حوصلہ، بالغ نگاہ اور وسیع النظر شخصیتوں کا شب وروز اور شام وسحر مصروف عمل ہو جانا بجائے خود آپ ﷺ کا ایک معجزہ اور آپ ﷺ کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔

''فقہ اسلامی'' نے جس وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ انسانی زندگی کا احاطہ کیا ہے اور زندگی کے تمام مسائل ومشکلات میں رہبری کا فریضہ انجام دیا ہے، نیز اس کی تمام جزئیات میں جو نظم ونسق اور ربطِ باہم ہے، ایک خاص قسم کا توازن واعتدال ہے، عصری تغیرات کو احتیاط کے ساتھ مناسب طور پر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس کی منصوبہ بندی کے لئے علماء نے احکام کے استنباط کے جو طریقے مقرر کئے ہیں، مسائل واحکام کی درجہ بندی کی ہے، شریعت کے مقاصد متعین کئے ہیں اور مصلحتوں کو قبول کرنے کے اُصول وضع کئے ہیں —— جن کو ''اُصولِ فقہ'' کہا جاتا ہے —— وہ بقول مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) قانون کی تاریخ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، (۱) اسی طرح اسلامی قانون کو اسلامی زندگی سے مربوط اور زمانہ کے مسائل سے ہم آہنگ رکھنے کی غرض سے جو ٹھوس نظریات فقہاء نے پیش کئے ہیں

---

(۱) خطبات بھاولپور، خطبہ: ۴ ''تاریخ اُصولِ فقہ واجتہاد'' ص: ۱۱۸، فقرہ: ۱۱۰، ڈاکٹر صاحب نے اُصولِ فقہ کو مسلمانوں کی ایجادِ خاص قرار دیا ہے۔

اور جن کو ''قواعدِ فقہ'' سے موسوم کیا ہے، وہ ان کی قانونی دقت نظر، ژرف نگاہی اور زمانہ آگہی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

مستشرق علماء جن کو مشرق اور خصوصیت سے اسلام کی کوئی خوبی ایک نظر نہیں بھاتی، اگر ہنر کو عیب بنانے میں کامیاب نہ ہوں تو کم از کم اتنا تو کرتے ہی ہیں کہ مسلمانوں اور عربوں کے کارناموں کا رشتہ کسی اور قوم اور خاص کر روم و یونان سے جوڑ دیتے ہیں؛ تاکہ یہ مسلمانوں کے کھاتہ میں نہ رہ سکے —— یہی کام ان حضرات نے فقہ کے بارے میں کیا اور اسلامی فقہ اور خصوصیت سے ''حنفی فقہ'' کو ''رومن قوانین'' سے ماخوذ و مستفاد اور قرآن و حدیث سے بے تعلق یا کم ہم آہنگ قرار دیا ہے، ان سطور میں اسی پر روشنی ڈالی جارہی ہے :

## تین بحث طلب نکات

اس کے لئے اول یہ بات دیکھنی ہوگی کہ کیا امام ابو حنیفہؒ تک رومن قوانین کی رسائی تاریخی قرائن کی روشنی میں ممکن ہے؟ —— دوسرے امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے فقہاء اسلام نے احکام شریعت کے لئے جو مصادر مقرر کئے ہیں، ان میں کسی اجنبی قانون کے لئے کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ اور وہ کس حد تک کتاب و سنت سے متعلق یا غیر متعلق ہیں، —— تیسرے رومن قوانین اور فقہ اسلامی کا مسائل زندگی کے مختلف شعبوں میں موازنہ کرنا ہوگا کہ ان میں کس درجہ مطابقت اور ہم آہنگی ہے اور جن احکام میں مطابقت ہے اس کی بنیاد کتاب و سنت اور عقل عام کے تقاضے ہیں یا رومی قوانین سے استفادہ؟ —— یہ تین نکات ہیں، جن کی روشنی میں بہ سہولت اس دعوے کو —— کہ فقہ حنفی رومی قوانین سے مستفاد ہے —— پرکھا جاسکتا ہے اور اسی ترتیب سے مجھے اس مسئلہ پر گفتگو کرنی ہے۔

## تاریخی قرائن

امام ابو حنیفہؒ (۸۰-۱۵۰) ایرانی النسل تھے، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آپ فارسی زبان سے واقف رہے ہوں گے؛ لیکن امام صاحب کے زمانہ تک عراق اور خلافت اسلامی کے

مشرقی صوبہ جات میں عربی زبان پوری طرح حاوی ہوچکی تھی، یہی تصنیف وتالیف، تدریس وقضاء، سرکاری دفاتر وامثلہ جات، یہاں تک کہ وعظ وپند اور روزمرہ بول چال کی زبان تھی، اس کی ایک وجہ تو اس پورے خطہ کا دامن اسلام میں آجانا اور اسلام کے بنیادی لٹریچر قرآن وحدیث کا عربی زبان میں ہونا ہے، دوسرے عربوں کا سیاسی غلبہ اور تیسرے مفتوح قوموں پر فاتح اقوام کا ایک نفسیاتی اثر اور زبان وتہذیب میں فاتحین کے مقابلہ کمتری اور مرعوبیت کا احساس بھی اس کی وجہ ہوسکتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کی بھی اصل زبان یہی تھی اور اسی میں آپ کے علوم کا تمام خزانہ محفوظ ہے، نہ ہی آپ رومی زبان سے واقف تھے، نہ شام وفلسطین کے ایسے علاقوں سے آپ کا تعلق رہا، جو پہلے رومی سلطنت کا حصہ تھے اور نہ اس عہد تک عربی زبان میں رومی قوانین کے ترجمہ کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

رومی قوانین کے عربی زبان میں منتقل نہ ہونے کا ایک خاص سبب ہے، مسلمانوں کا شروع سے یہ تصور رہا ہے کہ ان کو اپنے نظامِ زندگی کے معاملہ میں دوسری اقوام سے ممتاز اور مشخص رہنا چاہئے، یہ چیز ان کو کتاب وسنت اور اسلامی روایات پر انحصار کا پابند کرتی ہے اور دوسری قوموں کے طریقوں اور اطوار سے باز رکھتی ہے، ہاں، وہ علوم وفنون جو محض وسائل زندگی سے متعلق ہیں، یا انتظامات ملکی میں معاون ہیں، ان کو قبول کرنے اور پروان چڑھانے میں مسلمانوں نے نہایت فراخ دلی اور کشادہ قلبی سے کام لیا ہے، جیسے فلکیات، ریاضی، جغرافیہ، طب، طبعیات وغیرہ، پس امام ابوحنیفہؒ نہ رومی زبان سے واقف تھے، نہ رومی قانون کا لٹریچر عربی میں منتقل ہوا تھا اور نہ روم کی سابق ریاستوں سے آپ کا وطنی، تجارتی یا علمی تعلق تھا، اس لئے تاریخی اعتبار سے کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں، جو امام ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے رومی قوانین سے تاثر اور استفادہ کو کسی درجہ میں بھی ظاہر کرتا ہو۔

## فقہ اسلامی کے مآخذ

فقہاء اسلام نے بنیادی طور پر قانون کے چار سرچشمے (Sourcesof Law) مقرر کئے ہیں، ان میں ترتیب اس طرح ہے کہ اول قرآن مجید کو پیش نظر رکھا جائے، پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سامنے رکھی جائیں، اس کے بعد ان احکام کا درجہ ہے، جن پر اُمت کا اجماع واتفاق ہے، ظاہر ہے کہ اُمت کا کسی ایسی بات پر اتفاق ممکن نہیں جو قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہو، اس لئے اجماع بھی دراصل کتاب وسنت کے مزاج ومذاق کی متفقہ ترجمانی سے عبارت ہے، چوتھا درجہ ’’قیاس‘‘ کا ہے، قیاس یہ ہے کہ کتاب وسنت میں کسی مسئلہ میں جس سبب خاص کی بناء پر کوئی حکم لگایا گیا ہو، وہ سبب جہاں جہاں پایا جائے وہاں وہی حکم لگایا جائے، مثلاً حدیث میں کتے کے جھوٹے کو ناپاک قرار دیا گیا، حدیث سے بعض اور جانوروں کے جھوٹے کے متعلق بھی ایسا ہی حکم ملتا ہے، فقہاء نے غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کی وجہ ان جانوروں کا ناپاک ہونا ہے، لہٰذا فیصلہ کیا کہ تمام جانور جن کا گوشت ناپاک اور حرام ہے، ان کا جھوٹا بھی حرام اور ناپاک ہے، اسی کا نام ’’قیاس‘‘ ہے، اسی طرح ’’قیاس‘‘ کی اصل غایت کتاب وسنت کے احکام کے دائرہ کو وسیع اور ان صورتوں تک متعدی کرنا ہے، جن کا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں ذکر نہیں، گویا فقہ کے اصل مآخذ ’’کتاب وسنت‘‘ ہی ہیں اور اجماع وقیاس بھی بالواسطہ کتاب وسنت ہی کی اتباع وپیروی ہے۔

اس کے علاوہ فقہ کے جن دوسرے مصادر —— آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، عرف وعادت، شرائع ماقبل، سد ذرائع —— کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ سب بالواسطہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور قیاس ہی میں داخل ہیں اور اُصولِ فقہ میں اس نکتہ کو بار بار واضح کردیا گیا ہے کہ ان کی حیثیت کتاب وسنت کی طرح مستقل نہیں ہے اور نہ یہ نصوص سے آزاد ہیں، جہاں تک اجنبی ذریعہ سے قانون سازی کی بات ہے تو ان میں سے صرف امم سابقہ کی شریعت ہے، جس کو کسی درجہ میں اس زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے؛ لیکن شرائع ماقبل سے مراد پہلی آسمانی کتابوں کے وہ احکام ہیں جن کو قرآن مجید نے منسوخ نہیں کیا ہے، یہ احکام کسی دوسری قوم کے عرف ورواج اور سماجی اطوار پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ ’’وحی الٰہی‘‘ پر مبنی ہیں اور اس طرح قرآن مجید ہی کا حصہ ہیں، تاہم فقہاء اسلام نے مجرد ان کتابوں پر اعتماد کر کے کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کی ہے، بلکہ کتاب وسنت میں امم سابقہ کے جن احکام کی تصدیق کی گئی

ہے اور اُمتِ محمدیہ ﷺ میں ان کے باقی رہنے کا اشارہ کیا گیا ہے، انھیں کو قابل عمل تسلیم کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک حکم ”قانونِ قصاص“ کا ہے، جس کا خود قرآن پاک نے ذکر کیا ہے: ”یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ“ (۱) ممکن ہے اس طرح کا ایک آدھ حکم اور بھی مل جائے، ظاہر ہے اس کو اسلامی فقہ میں اجنبی اثر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دوسری اقوام سے تشبہ کو ناپسند فرمایا ہے (۲) اور اعتقادات کے علاوہ تہذیب و معاشرت میں بھی ان کی مشابہت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، (۳) اس لئے فقہاء اسلام نے بھی قدم قدم پر اس کو ملحوظ رکھا ہے اور ان احکام کو بھی، جن میں کتاب وسنت کی ہدایات موجود یا واضح نہیں ہیں —— اجنبی اثر سے آزاد رکھا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ”اقتضاء الصراط المستقیم“ تالیف فرمائی ہے اور اس حقیر کے مطالعہ کے مطابق فقہ حنفی اس باب میں زیادہ محتاط ہے، غالباً اس لئے کہ ایران اور مشرق کے علاقہ میں اس فقہ کی نشر و اشاعت کی وجہ سے فقہاء احناف غیر مسلموں کے شعار اور ان کی تہذیب و اطوار سے زیادہ واقف تھے۔

## رومی قانون کے مآخذ سے تقابل

اب ایک موازنہ فقہ اسلامی کے اِن مآخذ (Sources) اور رومن لا کے مآخذ کے درمیان کرنا چاہئے کہ اس سے مسئلہ زیر بحث کو سمجھنے میں آسانی ہوگی —— بنیادی طور پر رومی قوانین دو طرح کے ہیں: ایک مکتوبی اور دوسرے غیر مکتوبی، مکتوبی سے مراد سرکاری قوانین کا درجہ حاصل کر گئے ہیں، گیس (Gaius) کے بقول مکتوبی قانون کے چھ مآخذ ہیں :

۱- قانون موضوعہ اعلیٰ ترین (Leges)، یعنی شاہان قدیم شرفاء روما کی مجلس عشریہ، غیر رومی باشندوں کی مجلس مأۃ وغیرہ کے طے کئے ہوئے قوانین۔

---

(۱) البقرۃ:۱۷۸ (۲) سنن أبی داؤد، حدیث نمبر:۴۰۳۱

(۳) مصنف عبد الرزاق، عن عمر بن الخطابؓ، حدیث نمبر:۲۰۹۸۶

۲- قانون موضوعہ مجلس عوام۔

۳- سینٹ کی تجاویز۔

۴- فرامین شاہی۔

۵- مجسٹریٹ کے اعلانات۔

۶- مجتہدین، یعنی مذہبی راہبوں کے فتاویٰ اور دوسرے قانون دانوں کی توضیحات۔(۱)

اب غور کرو کہ ’’قانون مکتوبی‘‘ کے ان تمام مآخذ میں انسان کو اصل واضع قانون اور اس کے فہم و اختیار اور حکم و فیصلہ کو قانون کی اساس مانا گیا ہے، کہیں یہ حیثیت بادشاہ کو حاصل ہے، کہیں قاضی کو، کبھی شرفاء روم کی جماعت دہگانہ کو، کبھی اہل روم کے ساتھ دوسری اقوام کے صدر ایوان کو، کہیں مجلس عوام اور مذہبی یا قانونی علماء کو —— مگر اسلامی قانون کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے، یہاں قانون کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے ’’الا لہ الحکم‘‘(۲) اور اسی کے ہاتھ فیصلوں کی زمام ہے ’’ان الحکم الا للہ‘‘(۳) یہی مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فقہ کا مزاج و مذاق ہے، رومی نظام قانون میں رائے ایک قابل تحسین بات اور مفخرہ ہے اور فقہاء اسلام کے ہاں خود رائی ایک تہمت اور عیب ہے، جس کی طرف اس کی صحیح یا غلط نسبت کر دی جاتی ہے، وہ اس سے بصد تاکید انکار و معذرت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیں فقہاء کے ہاں کثرت سے کتاب و سنت پر انحصار، اس کی بالا دستی اور اس کے مقابلہ ’’رائے‘‘ کی مذمت اور اس کی بے اعتباری کے اقوال ملتے ہیں۔(۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً نصف صدی پہلے ۵۲۷ء میں شہنشاہ جسٹینئن روم کا فرماں روا ہوتا ہے اور روم کے منتشر، مروج اور منسوخ و معطل، باضابطہ موضوعہ قوانین اور عوام میں جاریہ اور مروجہ افعال کو ’’مجموعہ قوانین ملک‘‘ کے نام سے

---

(۱) ملاحظہ ہو: احمد عبد اللہ المسدوسی کی کتاب ’’قانونِ روما برائے ایل، ایل، بی‘‘: ۱۲-۱۷

(۲) الانعام: ۶۲ (۳) الانعام: ۵۷

(۴) المیزان الکبریٰ کا ابتدائی حصہ دیکھا جائے۔

مرتب کرتا ہے اور ''رسم ورواج'' کو بھی قانون کے ساتویں ماخذ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے، (۱) ـــ ممکن ہے بعض حضرات کو قانون کے اس ماخذ میں اور فقہ اسلامی میں عرف وعادت کا اعتبار کئے جانے میں یکسانیت نظر آئے، لیکن اپنی روح کے اعتبار سے ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ''رومن لا'' چوں کہ انسانی مرضیات وخواہشات پر ہی مبنی ہے، اس لئے اس قانون میں رسم ورواج کو خاصی اہمیت حاصل ہونا، بلکہ بعض اوقات موضوعہ قانون پر فائق ہوجانا عین مطابق فطرت ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ مسلمان زندگی کے تمام مسائل میں کتاب وسنت کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے، ان میں جو کچھ رواج پائے گا، ضرور ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مغائر نہ ہو، اس لئے مسلمانوں کے ایسے رواجات جن کے متعلق کوئی ممانعت یا ایجابی حکم موجود نہ ہو، مشروع اور جائز تصور کئے جائیں گے اور غالباً ایسا اس لئے ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اُمور کو مباح بتایا ہے اور ''عفو'' کا نام دیا ہے۔ **وما سکت عنه فهو مما عفا عنه** ۔ (۲)

اسی طرح قرآن مجید نے بھی عرف کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر ''معروف'' پر عمل اور معروف کی دعوت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، امام رازیؒ کے بقول جو باتیں عقل کو بہتر محسوس ہوں اور اصحابِ عقل کی نگاہ میں ناپسندیدہ نہ ہوں، وہ سب معروف ہیں '' **والمعروف هو ماحسن فی العقل فعله ولم يكن منكرا عند ذوی العقول الصحيحة** '' (۳) پس عرف کا اعتبار رومی قانون سے تاثر کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ کتاب وسنت کے مقرر کئے ہوئے اُصول کی روشنی میں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مروج عمل کتاب وسنت کے خلاف ہو تو فقہاء کے یہاں قابل قبول نہیں :

**العادة تجعل حكما اذا لم يوجد التصريح بخلافه فاما**

---

(۱) قانونِ روما: ۱۲

(۲) سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب لبس الفراء، حدیث نمبر: ۱۷۲۶

(۳) أحكام القرآن للجصاص: ۴/۲۱۴، ط: دار إحياء التراث العربی

**عند وجود التصریح بخلافه یسقط اعتباره ۔ (۱)**

عادت حکم ہوگی، جب کہ اس کے خلاف صراحت موجود نہ ہو، اگر
اس کے خلاف نص کی صراحت موجود ہو، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

## ابوابِ قانون کی تعیین و ترتیب

مآخذ قانون کے بعد ایک قانون دوسرے قانون کا اثر ابوابِ قانون کی تعیین و ترتیب میں قبول کرتا ہے، اس پہلو سے جب کوئی شخص فقہ اسلامی اور رومن لا کا جائزہ لے گا تو دونوں میں اسی درجہ تفاوت نظر آئے گا، جتنا کہ خود مآخذ و مصادر میں، رومن لاء میں قوانین کے چار حصے کئے گئے ہیں :

اول: قانون ملک، جو رومی نسل کے شہریوں کے لئے مخصوص تھا۔

دوسرے: قانونِ اقوام، جو بین ملکی اور بین قومی تعلقات سے متعلق تھے۔

تیسرے: قانونِ قدرت، یہ عام اُصول انصاف تھے، جس کے تحت روم کے غیر رومی نسل کے باشندوں کے معاملات طے کئے جاتے تھے۔

چوتھے: قانون حکام عدالتی، یہ قاضیوں کی وہ عدالتی تشریحات تھیں، جن سے بعض نئے قوانین کی تشکیل عمل میں آتی تھی۔ (۲)

فقہ اسلامی کے ابواب اس سے یکسر مختلف ہیں اور اس سے بہت سے زیادہ جامع، ہمارے یہاں ابواب فقہیہ کی ترتیب اس طرح ہے :

**۱- عبادات:** یعنی افعال جو براہِ راست بندے اور خدا کے درمیان ہیں، مثلاً ارکانِ اربعہ۔

**۲- مناکحات:** وہ احکام جو شخصی زندگی سے متعلق ہیں: نکاح، طلاق، رضاعت، نفقہ، میراث وغیرہ۔

---

(۱) شرح السیر الکبیر: ۱/۱۹۸ (۲) قانون روما: ۲۲-۲۵

**۳- معاملات:** وہ احکام جو دو آدمیوں کے درمیان مالی لین دین وغیرہ سے متعلق ہیں، خرید و فروخت، اجارہ، شرکت وغیرہ۔

**۴- اجتماعی احکام:** اس میں امارت و قضا، جہاد، بین ملکی اور بین قومی تعلقات وغیرہ کی بحثیں آتی ہیں اور عام طور پر ان کو "سیَر" کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

**۵- عقوبات:** جرائم اور سزاؤں کا ذکر، خواہ یہ سزائیں شریعت کی طرف سے مقررہ ہوں یا نہ ہوں، کوئی بھی صاحب انصاف معمولی غور و فکر سے اندازہ کر سکتا ہے کہ ان دونوں قوانین کے مزاج میں کس قدر فرق اور بون بعید ہے۔

## مختلف احکام کا تقابل

اب ایک سرسری نظر فقہ اسلامی اور رومی قانون پر ڈال کر اس امر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ احکام کی تفصیلات میں یہ کس حد تک ایک دوسرے سے قریب ہیں؟ —— اس پہلو سے بھی ان دونوں مکاتب قانون میں خاصا فرق نظر آتا ہے، رومی قانون کی طرح اسلام نے بھی ابتداء غلامی کو ایک قانونی عمل تسلیم کیا تھا؛ لیکن پیدائشی طور پر آزاد شخص کے غلام ہونے کی صورت اس کے سوا کوئی نہ تھی کہ وہ جنگ میں گرفتار کیا جائے اور یہ غلامی کو تسلیم کرنا بھی کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ رومی قانون اس کا قائل تھا؛ بلکہ اس وقت اقوام عالم کے نظام جنگ کی اساس اسی پر تھی اور پہلی آسمانی اور مذہبی کتابوں نے بھی اس کو روا رکھا تھا، اس لئے عملی طور پر اس کو ماننے اور بعض اصلاحات کے ساتھ جاری رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا؛ لیکن رومی قانون میں جنگ میں گرفتاری کے سوا مزید سات اسباب ہیں، جن کی وجہ سے آزاد انسان کو غلام بنایا جا سکتا ہے، (۱) کوئی شخص سازشی طور پر اپنے آپ کو غلام ظاہر کر کے فروخت کر دے، (۲) آزاد شدہ غلام آقائے سابق سے احسان فراموشی کا سلوک کرے، (۳) مردم شماری یا فوجی خدمت سے گریز کرے، (۴) مقروض ہو اور قرض ادا نہ کرے، (۵) چور چوری کرتا ہوا پکڑا جائے، (۶) آزاد عورت کسی غلام سے اس کے آقا کی رضامندی کے بغیر مباشرت کرے۔(۱)

---

(۱) قانونِ روما: ۲۲-۲۵

اسلام نے شہری اور بنیادی حقوق میں نسل و خاندان کی کوئی تفریق نہیں کی ہے؛ لیکن رومی قانون حق رائے دہی، خدماتِ عامہ کے حصول کے حق، حق تجارت، یہاں تک کہ حق ازواج، —— جس سے بچوں پر اختیار پدری حاصل ہوتا ہے —— سے بھی غیر رومی نسل کے لوگوں کو محروم رکھتا ہے، (۱) لیکن شاہ جسٹینین کے زمانہ سے مملکت روما کے تمام باشندوں کو ''رومی'' تسلیم کرلیا گیا تھا، جو لوگ رومی نژاد نہیں تھے، ان کو اس سے راحت حاصل ہوگی۔

اسلامی فقہ ہر بالغ شخص کو —— سوائے اس کے کہ وہ عقل کے اعتبار سے متوازن نہ ہو —— اپنے بارے میں مکمل خود اختیاری دیتا ہے؛ لیکن رومی قانون میں ''مورثِ اکبر'' کا تصور ہے، مثلاً اگر دادا زندہ ہے تو وہ اپنے صاحبِ اولاد فرزندوں پر بھی اسی طرح ولایت رکھتا ہے، جس طرح کسی نابالغ بچہ پر۔ (۲)

اسلام میں ثبوتِ نسب نکاح، اپنی باندی سے وطی یا وطی بالشبہہ، انھیں تین ذرائع سے ہوسکتا ہے، زنا کی وجہ سے نسب کا ثبوت نہیں ہوتا؛ لیکن رومی قانون میں بغیر نکاح کے، ماں باپ کے اعتراف ذریعہ بھی نسب کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے (۳) —— اسلام میں رشتۂ ولدیت ایک فطری اور طبعی رشتہ ہے، یہ کوئی عقد اور معاملہ نہیں ہے، جو زبان کے بول کے ذریعہ پیدا ہوجائے، رومی قانون ''تبنیت'' کو تسلیم کرتا ہے، ''تبنیت'' کے ذریعہ مصنوعی طور پر جس شخص سے اس کا رشتۂ فرزندی قائم ہوا ہے، وہ اس کے خاندان میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کا اپنے اصل خاندان سے رشتہ ختم ہوجاتا ہے۔ (۴)

اسلام میں باپ، دادا کو بھی ولایت حاصل ہے، مگر وہ ایک بہت محدود نوعیت کی ہے اور اس کے لئے کسی ایسے تصرف کی اجازت نہیں، جو زیر ولایت بچوں کے مفاد میں نہ ہو، نیز اولیاء کو ان کے مال پر مالکانہ حقوق بھی حاصل نہیں ہیں، اس کے برخلاف قانون روما میں باپ کے اختیارات بہت وسیع ہیں، یہاں تک کہ اسے اپنی اولاد کو بیچنے اور قتل کرنے تک کی اجازت

---

(۱) قانونِ روما: ۴۸

(۲) قانونِ روما: ۵۰

(۳) قانونِ روما: ۵۰

(۴) قانونِ روما: ۵۱-۵۳

تھی اور جس طرح آقا اپنے غلام کو آزاد کرسکتا تھا، اسی طرح باپ کے اپنی اولاد کو آزاد کرنے کا تصور تھا۔(۱)

قانون ازدواج میں بھی ان دونوں کے درمیان خاصا تفاوت پایا جاتا ہے، قانون روما میں اُصولی طور پر عورت شادی کے بعد اپنے خاندان سے کٹ جاتی ہے اور شوہر کے خاندان میں ضم ہوجاتی ہے اور شوہر کے بزرگِ خاندان کے لئے وہ محض ایک شئ کے درجہ میں ہوتی ہے،(۲) اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح محض ایک معاہدہ ہے، نکاح کے بعد بھی عورت کا اپنے خاندان سے تعلق باقی ہے، وہ اپنے خاندان سے میراث اور مختلف حقوق پانے کی حقدار ہوتی ہے اور شادی کے بعد بھی تمام انسانی اور بنیادی حقوق اسے حاصل ہوتے ہیں، وہ شئ اور سامان کے درجہ میں نہیں ہوتی۔

قانون روما شادی شدہ شخص اور غلام کے لئے نکاح کو جائز نہیں رکھتا، نہ صغرسنی کے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے،(۳) اسلام نے ان تمام صورتوں میں نکاح کی اجازت دی ہے —— قانونِ روما مذہبی رسوم کے ساتھ نکاح کے علاوہ ایک عرصہ تک ناجائز طریقہ پر مرد وعورت ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور میاں بیوی کا سا سلوک کریں تو اس سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے،(۴) اسلام اس طرح کے بے ضابطہ اور بے شرمی پر مبنی نکاح کو روا نہیں رکھ سکتا۔

اسلام میں نکاح میں عورتوں کی طرف سے جہیز کا کوئی تصور نہیں؛ بلکہ مرد کو مہر ادا کرنا ہے؛ لیکن رومی قانون اس کے برعکس جہیز کا تصور پیش کرتا ہے اور اکثر اوقات شوہر کو اس کا حقدار قرار دیتا ہے، مہر کا کوئی تصور قانونِ روما میں نہیں،(۵) —— قانونِ روما کی رو سے عورتیں کبھی بھی اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتیں؛ بلکہ ولی کی ولایت اس پر دائمی رہتی ہے،(۶) اسلام میں اور خاص کر فقہ حنفی میں بالغ ہونے کے بعد عورت کو اپنے نفس اور مال پر خود ولایت حاصل

---

(۱) قانونِ روما: ۵۴-۵۶

(۲) قانونِ روما: ۵۷

(۳) قانونِ روما: ۵۷-۵۸

(۴) قانونِ روما: ۵۸-۵۹

(۵) قانونِ روما: ۹۱

(۶) قانونِ روما: ۹۱

ہوتی ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ مالِ مرہون سے استفادہ جائز نہیں، لیکن قانونِ روما کے تحت مالِ مرہون سے نہ صرف استفادہ جائز ہے؛ بلکہ مالِ مرہون میں قرض خواہ کو حق تصرف بھی حاصل ہے،(۱) قانونِ روما میں وصیت کے لئے کوئی حد مقرر نہیں، جب کہ اسلام میں تہائی کی تحدید کرتا ہے، قانونِ روما کے تحت متبنیٰ، آزاد کردہ فرزند، لڑکی وراثت کی حقدار نہیں، وراثت سے محرومی، حجب اور حصہٴ وراثت کی مقدار میں بھی فقہ اسلامی اور قانون روما میں شاذ و نادر ہی موافقت پائی جاتی ہے۔(۲)

قانونِ روما سود کو جائز قرار دیتا ہے، یہاں تک کہ امین امانت کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو اس سے بھی سود لیا جاسکتا ہے،(۳) اسلام میں سود شدید ترین خبائث میں سے ہے۔

یہ محض چند مثالیں بطور نمونہ کے ذکر کی گئی ہیں، ورنہ اگر مختلف شعبہٴ حیات کا تفصیل کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ فقہ اسلامی اور قانونِ روما کے درمیان اس قدر جوہری اختلاف ہیں کہ کوئی صاحبِ بصیرت اس طرح کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ فقہ اسلامی ''رومن لا'' سے ماخوذ یا مستفاد ہے، ممکن ہے بعض قوانین میں مطابقت پائی جائے، لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ دنیا کا ہر قانون انسانی ضروریات کی تکمیل اور مقتضیات فطرت کو پورا کرنے کے لئے ہے، انسان کی ضرورت اور اس کے کچھ تقاضے بالکل یکساں ہوا کرتے ہیں، اس لئے کچھ احکام ایسے ہیں کہ دنیا کے ہر قانون میں ایک طرح سے تسلیم کئے جاتے ہیں، یا ان میں معمولی تفاوت پایا جاتا ہے، مثلاً نکاح کی اجازت، خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ، عاریت، وصیت، قرض وغیرہ کی گنجائش، انسانی قتل اور ہتک عزت، سرقہ وغصب، خیانت وغیرہ کی ممانعت، اس طرح کی چیزوں میں مختلف قوانین کے درمیان یکسانیت ایک دوسرے سے استفادہ کی دلیل نہیں؛ بلکہ انسانی ضروریات اور تقاضوں میں یکسانیت کا ثبوت ہے،

---

(۱) قانونِ روما: ۹۸ (۲) قانونِ روما: ۱۲۶-۱۳۳

(۳) قانونِ روما: ۱۴۱

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قانون معاملات کا بڑا تعلق انسانی تجربات سے ہے اور یہ مصلحت انسانی کے دوش بدوش چلتا ہے، ایسے احکام میں مطابقت کا پایا جانا بالکل فطری اور طبعی امر ہے۔

## کلمۂ آخریں

پس حقیقت یہ ہے کہ فقہ اسلامی کی اپنی مستقل بنیادیں ہیں اور اس کا غالب حصہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، جو تھوڑے سے احکام نصوص سے صراحتاً یا اشارۃً ثابت نہیں ہیں، وہ بھی قیاس پر مبنی ہیں کہ جن کی جڑیں کتاب وسنت میں پیوست ہیں —— اسلامی فقہ اور انسان کے خودساختہ قوانین کے درمیان دو ایسے جوہری فرق ہیں، جن کا قدم قدم پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور جن سے فقہ اسلامی کا امتیاز اور بہ مقابلہ دوسرے قوانین کے اس کی برتری واضح ہوتی ہے۔

اول: یہ کہ فقہ اسلامی میں ایک خاص طرح کی پائیداری اور ثبات ہے، دوام واستحکام اور بقاء وقرار ہے، انسان کے وضعی قوانین میں مسلسل تغیرات اور بے ثباتی ہے، کسی بھی قانون میں جہاں جمود ایک نقص ہے، وہیں بے ثباتی اور استقامت و پائیداری سے محرومی بھی کچھ کم درجہ کا عیب نہیں، —— اس کی وجہ ظاہر ہے، فقہ اسلامی کا سرچشمہ وہ نصوص ہیں جو قیامت تک ہر طرح کے تغیرات و اصلاح سے ماوراء ہیں اور وضعی قوانین کی اساس انسانی خیالات وجذبات ہیں، جو ہر آن وزمان تغیر وتبدیلی سے دوچار ہیں۔

دوسرے: فقہ اسلامی حقیقی نافعیت اور مآل وانجام کی سعادت پر مبنی ہے، وضعی قوانین میں حقیقی نفع وضرر سے زیادہ خواہشات وجذبات کی رعایت ہے، شراب صحتِ انسانی کے لئے مضر ہے، نشہ جنون کا ایک درجہ ہے، خنزیر کا گوشت مختلف طبعی بیماریوں اور اخلاقی مفاسد کی جڑ ہے، برہنگی علاوہ عصمت وعفت کے مذہبی تصور کے اخلاقی اقدار کے بھی منافی اور امن وسکون کا بھی غارت گر ہے، اسلام نے ان مضرتوں پر نظر رکھی ہے اور ان اُمور کے بارے

میں اس کی مخالفت نا قابل تبدیل ہے، مگر وضعی قوانین ان تمام نقصانات کو تسلیم کرنے کے باوجود ہوائے نفسانی اور ہوسِ انسانی کے سامنے سپر انداز ہے — اس فکر و مزاج نے اس کو اعتدال و توازن سے دور، عدل و انصاف سے محروم اور اُصولِ فطرت سے نا آہنگ بھی کر دیا ہے اور موم کی طرح قوت و صلابت سے خالی بھی، جسے روز توڑا جائے اور نئی نئی صورتیں دی جائیں۔ **والدین عند اللہ الاسلام** ۔

* * *